آہ، شاہد بھائی!

کوئی دن اور بھی جیے ہوتے

اس عالم آب و گل سے آپ کی یوں اچانک رخصتی سے دل بے حد مغموم ہے۔ آنکھیں برس رہی ہیں اور سینہ جل رہا ہے، آپ کو مرحوم لکھتے ہوئے کلیجہ منہ کو آرہا ہے۔ کیسے یقین کریں کہ اب جیتے جی آپ سے ملاقات نہیں ہوسکتی۔ جامعۃ الفلاح، علی گڑھ، لکھنؤ اور دہلی وغیرہ میں آپ کی شفقت، عنایت، خوردنوازی، حوصلہ افزائی اور وعظ و نصیحت سے تقریباً ۳۵ برس تک فیض یاب ہوتا رہا۔ آپ کی تنظیمی رفاقت، مصاحبت، معیت اور سرپرستی میں بیتے شب و روز، ماہ و سال اور احوال و کوائف ذہن کی اسکرین پر کسی فلم کی مانند مسلسل نمودار ہورہے ہیں۔ ہائے! ہائے! ہائے!

آپ کی خوش کن باتیں، آپ کی پرجوش تقاریر، آپ کے بلیغ خطبے، آپ کی مؤثر تحریریں، آپ کے ادبی رجحانات، آپ کی شگفتہ مزاجی، آپ کا تبسم، آپ کی بذلہ سنجی، آپ کی برمحل شعرخوانی، آپ کی قصہ گوئی، آپ کی منظرکشی، آپ کی علمی بحثیں، آپ کے تحریکی نظریات، آپ کے بلند عزائم، آپ کی تنظیمی سرگذشت، آپ کی فکرمندیاں، آپ کی عقابی نگاہیں، آپ کے برجستہ تبصرے، آپ کی قوت گویائی، اور آپ کی بے باک آراء اب ماضی کا ایک سنہری باب ہیں۔ تاریخ ایسے ہی بنا کرتی ہے .... آہ شاہد بھائی! مفارقت کا یہ داغ ایک گھاؤ بنتا جارہا ہے۔

جامعۃ الفلاح میں عالمیت کے ابتدائی سالوں میں جب قلم پکڑنا سیکھا تو آپ ہی نے مجھے مضمون نویسی کے گر بتائے۔ جو کچھ الٹا سیدھا رقم کرتا اس کی اصلاح کرتے اور نوک پلک درست کرکے قابل اشاعت بناتے۔ طلبہ تحریک ایس آئی ایم میں میری سرگرم شمولیت، تربیت، ذہن سازی اور ادبی ذوق کی آبیاری میں آپ کا بنیادی کردار ہے۔ ۱۹۹۰ء میں گورکھپور میں منعقد ایک سب زونل تربیتی اجتماع کے موقع پر میں نے پہلی مرتبہ آپ ہی کی ترغیب پر ایک مذاکرہ میں حصہ لیا تھا۔

شاہد بھائی نے مجھے ہمیشہ اپنا چھوٹا بھائی سمجھا۔ اکثر لوگوں سے جب میرا پہلی بار تعارف ہوتا ہے تو ناموں میں 'بدر' کے لاحقہ کی وجہ سے پوچھتے ہیں "کیا آپ شاہد بدر کے بھائی ہیں؟"۔ مارچ ۲۰۰۲ء میں جب لکھنؤ ضلع جیل سے ضمانت کے بعد مجھے تہاڑ سینٹرل جیل دہلی منتقل کیا گیا تو شاہد بھائی وہاں پہلے سے موجود تھے۔ دہلی کے اخبارات میں گرفتاری کی خبر شائع ہوئی تو قید خانے میں موجود اسلامی حلقوں کے افراد شاہد بھائی سے تعزیت کرنے لگے کہ ہمیں آپ

کے چھوٹے بھائی کی گرفتاری کا دکھ ہے۔پس دیوارِ زنداں تقریباً ایک ماہ ہائی سکیوریٹی وارڈ کے اندر اُن کی بیرک میں ساتھ رہا۔ وہاں موجود کتنے ہی جاں باز سپاہی ان کے مرید ہوگئے تھے۔ایک افغان مجاہد تازہ خان کی زبان ہر وقت بس حضور حضور کی گردان سے تر رہتی تھی۔ دہلی یونیورسٹی میں شعبہ عربی کے پروفیسر عبدالرحمٰن گیلانی مرحوم سے جیل میں ان کی رفاقت، مکاتبت اور ارادت مندانہ تعلق کا میں بھی گواہ ہوں۔ تہاڑ کی داستان ایک علیحدہ مضمون کی متقاضی ہے۔ شاہد بھائی اپنی روداد اِسیری ’شاہد زنداں‘ کے عنوان سے مرتب کرنا چاہتے تھے، کام کا آغاز کیا تھا مگر شاید مکمل نہ کرسکے۔

اپنی بے پناہ شجاعت، مظلوموں کی مسیحائی اور غریب پروری کے لیے معروف مشرقی اتر پردیش کے دلیر عوامی لیڈر مختار انصاری مرحوم تہاڑ جیل کے اندر ہی شاہد بھائی کی مقناطیسی شخصیت کے سحر میں گرفتار اور ان کے ارادت مندوں میں شامل ہوگئے تھے۔گذشتہ رمضان میں اپنی وفات سے چند ماہ پہلے تک وہ جیل میں بلوا کر شاہد بھائی سے مختلف دینی، ملی اور قومی معاملات میں مشورے کرتے، رہ نمائی طلب کرتے اور دعائیں حاصل کرتے رہے۔

شمشاد مارکیٹ میں واقع علی گڑھ کی قدیم ترین اسلامک لائبریری (جو طلبہ تحریک پر پابندی کے بعد اَب مقفل ہے) میں آپ کے ساتھ گذرے شام وسحر، عشاء کی نماز کے بعد سائیکل پر سوار ہوکر کھانے کے لیے تصویر محل تک ساتھ جانا، یونیورسٹی جامع مسجد‘ حبیب ہال‘ علامہ اقبال ہال‘ سلیمان ہال‘ وی ایم ہال‘ آر ایم ہال وغیرہ کی مساجد میں آپ کے دروس قرآن، خطاب عام‘ شب گذاریاں‘ اور تربیتی پروگراموں میں آپ کی تذکیر‘ سب کچھ یاد آرہا ہے۔

علی گڑھ میں تحریکی افراد اور فارغین مدارس کی نماز فجر بالعموم متاثر رہتی ہے، مگر شاہد بھائی اپنے رہائشی ہال کے بجائے اکثر فجر کی نماز علامہ اقبال ہال، سلیمان ہال، اور سر ضیاء الدین ہال کی مسجد میں ادا کرتے اور رفقاء کے کمروں پر جا کر ان کی خیریت دریافت کرتے اور چائے پی کر واپس آتے۔ یونیورسٹی کے سینئر طلبہ سے ان کے تعلقات خوشگوار اور مراسم گہرے تھے۔تحریکی مفاد کے پیش نظر تنظیم کے علاوہ بھی ان کا ایک حلقہ احباب تھا جس کے ساتھ ڈھابے پر بیٹھ کر پابندی سے چائے نوش کرتے تھے۔ (آئی اے ایس) محمود الرحمٰن صاحب مرحوم جب ۱۹۹۵ء میں شیخ الجامعہ کی حیثیت سے علی گڑھ تشریف لائے تو شاہد بھائی نے انہیں ایک تفصیلی خط لکھا اور یونیورسٹی کی موجودہ صورت حال کا تجزیہ کرنے کے بعد اپنے مشورے اور عملی تجاویز اُن کے سامنے پیش کیں۔ ان کا مسکن محمد حبیب ہال کا کمرہ نمبر ۲۵۷ نو واردان علی گڑھ کے لیے ایک سرائے تھا۔ وہاں قیام کرنے والے طلبہ ان کے گرویدہ اور شخصیت کے اسیر ہوجاتے۔

ہم ہوئے، تم ہوئے کہ میر ہوئے
ان کی زلفوں کے سب اسیر ہوئے

شاہد بھائی کا ادبی اور شعری ذوق نہایت بلند، اعلیٰ اور ستھرا تھا۔ جامعۃ الفلاح کے زمانہ طالب علمی میں جب وہ طلبہ تحریک میں کسی ذمہ دارانہ منصب پر فائز نہیں ہوئے تھے، شعری نشستوں اور مقامی مشاعروں میں باضابطہ نظامت کا فریضہ انجام دیتے تھے۔ ممکن ہے ان کے اس ذوق کی نشو ونما میں ان کے شاعر ماموں قمر رسول پوری کا بھی کردار ہو۔ میں نے اپنے احباب و متعلقین اور متعارف لوگوں میں اعلیٰ معیار کے خوبصورت اشعار کا ایسا محافظ اور ان کا برمحل استعمال کرنے والا فرد کہیں نہیں دیکھا۔ کوئی محفل ہو، کوئی موضوع ہو اور کوئی موقع ہو، ان کی زبان سے اشعار ایسے جھڑتے تھے جیسے خزاں میں درختوں سے پتے۔ نجی محفلوں میں اسلامی شعراء کے علاوہ فیض احمد فیض، پروین شاکر اور جوش وغیرہ کے معیاری اشعار بھی موقع ومحل کی مناسبت سے حاضر کرتے۔

فلاح کے زمانے میں انہوں نے مجھے اسلامی حلقہ کے معروف شاعر عزیز بگھروی کا شعری مجموعہ ’جہاد حرف‘ اس دعائیہ جملے کے ساتھ ہدیہ کیا تھا: ’’عزیزی نعمان سلمہ کے شعری ذوق کو جلا بخشنے کے لیے صالح ادب کا حسین گلدستہ پیش خدمت ہے۔ بارگاہ الٰہی میں اپنے اور برادر عزیز کے حق میں بس یہی دعا ہے کہ ؎

ہم وارثان لوح وقلم کو بھی ہو عطا
یارب جہاد حرف وقلم کا شرف کوئی

جون ۱۹۹۷ء میں مہاراشٹرا کے پرفضا پہاڑی مقام ’چکل دھرا‘ میں منعقد دس روزہ مرکزی اسریٰ کیمپ کے دوران شعری اور ادبی نشست میں شاہد بھائی کی بے نظیر اور لاجواب نظامت کا میں بذات خود مشاہد ہوں۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ پروفیسر مسعود احمد (علی گڑھ) نے ان کی نظامت پر حیرت واستعجاب میں ڈوبی ہوئی بے انتہا مسرت کا اظہار کیا تھا۔

اسی کیمپ کی ایک دلچسپ ادبی شرارت کا تذکرہ بھی مناسب معلوم ہوتا ہے۔ ایک شب صدر تنظیم مولانا عبدالبر اثری صاحب فجر سے قبل تہجد کے لیے بیدار ہوئے تو دیکھا کہ باہر پہرے پر مامور ایک ملیالی نوجوان رات کے آخری پہر فرصت کے وقت تنہائی کے عالم میں جگر مرادآبادی کا یہ شعر گنگنا رہا ہے ؎

یوں زندگی گزار رہا ہوں ترے بغیر
جیسے کوئی گناہ کیے جا رہا ہوں میں

صدر تنظیم نے نوجوان سے پوچھا کہ جو شعر پڑھ رہے تھے اس کا مطلب بھی سمجھتے ہو؟ کیرلا کے نوجوان رفیق نے نفی میں جواب دیا اور بتایا کہ شاہد بدر صاحب نے مجھے یہ شعر سکھایا ہے۔

ان کی تحریروں میں گرچہ تنظیمی مصروفیات، ذمہ داریوں کے بوجھ، اور مستقل درس، تقریر اور خطاب کی وجہ سے تقریر کا رنگ غالب نظر آتا ہے مگر فکری پختگی، نظریاتی بلندی اور علمی گہرائی کے ساتھ ادب کی چاشنی بدرجہ اتم پائی جاتی ہے۔ کتنا اچھا ہوتا کہ ان کے مضامین، مقالات، پیغامات، انٹرویوز اور خطابات کا مجموعہ شائع ہو جائے۔

جنوری ۱۹۹۷ء میں طلبہ تحریک کی 'نیشنل ازم یا خلافت؟' مہم کے موقع پر سید علی شاہ گیلانی مرحوم کی موجودگی میں کینیڈی ہال کے اندر علامہ کے انقلابی اشعار سے مزین ان کے فصیح و بلیغ خطاب کی شان بھلائی نہیں جاسکتی۔ نیشنلزم کے موضوع پر یہ ایک عالمانہ تقریر تھی جس کا تذکرہ علی گڑھ کی تاریخ میں ضرور ہوگا۔ اسی موضوع کے تحت تقریباً ۶۰ صفحات پر مشتمل ان کا ایک کتابچہ بھی اسی زمانے میں شائع ہوا تھا جس کا مطالعہ تحریکی نوجوانوں کو لازماً کرنا چاہیے۔

ان کے خطاب میں دریا کی روانی کے ساتھ بپھری ہوئی موجوں کی طغیانی بھی ہوتی تھی۔ الٰہی آیات، فرمان رسولؐ، تاریخی واقعات اور خوبصورت انقلابی اشعار سے اپنی تقریر کو سجانے میں انہیں ید طولیٰ حاصل تھا۔ نومبر ۹۷ء میں اجتماع اخوان' علی گڑھ کے دوران' تاریخ عشق و وفا' کے موضوع پر ان کے خطاب کے دوران سامعین کی آنکھوں سے بہتے آنسو اور اکتوبر ۹۸ء میں لکھنؤ کی ٹیلے والی مسجد میں' البدر کی داستان عزیمت' کی ساعت کے دوران نوجوانوں کی ہچکیاں ان کے' عزیز مصر خطابت' ہونے کی دلیل ہیں۔

فروری ۲۰۰۰ء میں ایس آئی ایم کے کل ہند صدر منتخب ہونے کے بعد ماہ نامہ' اسلامک موومنٹ' کے ذریعہ ان کا جو پہلا پیغام نشر ہوا اس کا عنوان حفیظ میرٹھی کا یہ مصرع تھا۔ ''جب تک دیوانے زندہ ہیں آباد رہیں گی زنجیریں''

مارچ ۲۰۰۱ء میں نئی دہلی میں واقع اقوام متحدہ (U.N.O) کے دفتر کے سامنے وشو ہندو پریشد اور بجرنگ دل کے غنڈوں نے قرآن پاک کو نذر آتش کیا اور حرمین کی تصاویر کی بے حرمتی کی تو طلبہ تحریک کی کوششوں کے نتیجے میں تشکیل پانے والے ایک کل جماعتی وفد نے انگریزی ماہ نامہ' ریڈینس' کے سابق مدیر امین الحسن رضوی مرحوم کی قیادت میں وزیر اعظم اٹل بہاری واجپئی سے ان کی رہائش گاہ پر ملاقات کی۔ مولانا عبدالوہاب خلجی، احمد بخاری، عبیداللہ خان اعظمی جیسے بزرگ اور منجھے ہوئے قائدین کی موجودگی میں شاہد بھائی نے پوری مومنانہ شان اور جرأت کے ساتھ وزیر اعظم واجپئی کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اس دل فگار واقعہ کی تفصیلات پیش کیں اور انہیں اس کے انجام سے باخبر کیا۔

اپریل ۲۰۰۰ء میں سہ روزہ دعوت، دہلی نے '' ماضی حال، مستقبل'' کے عنوان سے اپنی خصوصی اشاعت کے لیے علمائے کرام، زعمائے ملت اور ملی جماعتوں کی ذمہ دار شخصیات کے نام ایک سوال نامہ جاری کر کے کچھ بنیادی نوعیت کے سوالات پر غور و فکر اور گفتگو کی دعوت دی تھی۔ دعوت کے مدیر پرواز رحمانی صاحب کا سوال نامہ موصول ہوا تو

شاہد بھائی نے ایک مضمون کی شکل میں تمام سوالات کے جواب دیے جو دعوت کی خصوصی اشاعت میں موجود ہے۔ مضمون میں انہوں نے آزادی کے بعد ہندوستانی مسلمانوں کے مختلف النوع مسائل، اُن کی موجودہ مذہبی، سیاسی، معاشرتی، معاشی اور تعلیمی صورت حال کا بے لاگ تجزیہ کرنے کے بعد اکیسویں صدی میں مسلمانان ہند کے لائحہ عمل اور دینی شناخت کے تحفظ کے سلسلہ میں ٹھوس تجاویز پیش کی تھیں۔

اپریل ۲۰۰۰ء میں انہوں نے آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے لکھنؤ اجلاس میں طلبہ تحریک کی بھرپور نمائندگی کی۔

طلبہ تحریک کے قیام کی ۲۵ سالہ تقریبات کا افتتاحی جلسہ اپریل ۲۰۰۱ء میں غالب اکیڈمی، دہلی میں نہایت تزک و احتشام کے ساتھ منعقد ہوا تھا۔ کھچا کھچ بھرے کانفرنس ہال میں شاہد بھائی نے صدارتی تقریر کرتے ہوئے کہا تھا :

"حکومت کے ظلم و ستم کے باوجود آج ایس آئی ایم ملت اسلامیہ کے دلوں کی دھڑکن بن چکی ہے۔ بڑی تعداد میں جری اور حوصلہ مند نوجوان اس میں شمولیت اختیار کر رہے ہیں۔ تحریک کے خلاف حکومت اور انتظامیہ کی معاندانہ یلغار سے کارکنان خوف زدہ ہونے کے بجائے نصرت الٰہی کے سہارے ان شاء اللہ صبر و استقامت کا مظاہرہ کریں گے۔ ہم ہر حال میں اپنی منزل کی جانب بڑھتے رہیں گے، اگر چلنے کی طاقت نہ ہوگی تو گھسٹتے رہیں گے، اور اگر اتنی طاقت بھی نہ ہوگی تو آنکھوں سے آگے بڑھنے کا اشارہ ہی کریں گے لیکن باطل کے آگے سرنگوں نہیں ہوں گے اور نہ ہی اپنا راستہ تبدیل کریں گے۔ ان شاء اللہ۔"

اگست ۲۰۰۱ء میں طلبہ تحریک کے کل ہند سکریٹری برادر وقار الحسن کی غیر قانونی گرفتاری کے خلاف شاہد بھائی کی قیادت میں سیکڑوں کارکنان ایس آئی ایم نے پارلیمنٹ اسٹریٹ دہلی پر ایک زبردست مظاہرہ کیا تھا۔ جب دہلی پولیس نے مظاہرین کو ایک مقام پر روک لیا تو انہوں نے وہیں پر مظاہرین سے خطاب کیا اور اپنے کل ہند سکریٹری کی رہائی کے سلسلہ میں صدر جمہوریہ کے نام ایک میمورنڈم بھی پیش کیا۔

علی گڑھ میں شاہد بھائی کے معاصر اور ممبئی میں مقیم اسلامی معاشیات کے ماہر ڈاکٹر شارق نثار علیگ ان کا ذکر خیر کرتے ہوئے کہتے ہیں: "میں نے ان کے اندر لیڈر شپ کی بہترین خصوصیات دیکھی ہیں۔ ہمیشہ خندہ پیشانی سے ملتے اور فوراً سینے سے لگا لیتے۔ طلبہ کا تعاون دل کھول کر کرتے تھے، تنگی ترشی میں رہتے مگر دل بہت کشادہ تھا۔ جن طلبہ کو ہاسٹل میں کمرہ نہیں مل پاتا تھا انہیں شاہد بھائی کے یہاں پناہ ملتی تھی۔ ان کے ساتھ رات رات بھر سائیکل سے گھوم کر کیمپس میں پوسٹر لگائے ہیں اور کھمبوں پر چڑھ کر بینر لٹکائے ہیں۔ ہم اکثر اتوار کے دن صبح صبح بڑے بھائی ماسٹر شمشاد نثار اعظمی کے یہاں کلیجی روٹی کا ناشتہ کرنے پہنچ جاتے۔ ان کے پاس جا کر سکون ملتا تھا، وہ معاملات اور مسائل کو بہت

آسان بنادیتے تھے۔معاشیات میں گریجویشن کے بعد میں نے ان کے سامنے یہ خواہش ظاہر کی کہ میری اردو،عربی اور اسلامیات وغیرہ کی تعلیم نہیں ہوسکی ہے٬ اس لیے میں اب کسی مدرسے میں داخلہ لینا چاہتا ہوں،مگر انہوں نے مجھے اس اقدام سے روکا اور وجہ پوچھنے پر کہا ’’ مجھے خدشہ ہے کہ وہاں جا کر تمہارے دل میں مدرسے اور علماء کی جو قدر،احترام اور عزت ہے٬ کہیں وہ کم نہ ہوجائے۔‘‘ (گفتگو بذریعہ واٹس ایپ، بتاریخ ۲۲/جولائی ۲۰۲۴ء، بعد نماز مغرب)

واشنگٹن ڈی سی میں مقیم انجینئر افضال عثمانی علیگ (ایم ٹیک ۱۹۹۸ء) شاہد بھائی کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے کہتے ہیں :

’’گیارہویں،ڈپلومہ انجینئرنگ اور ’بی یو ایم ایس٬ میں داخلے کے لیے ایس آئی ایم کے کوچنگ پروگرام کے ذریعہ میں ان سے قریب ہوا تھا۔میں وہاں عام معلومات اور ’انڈو اسلامک کلچر٬ کا مضمون پڑھاتا تھا، یہ کلاسز یونین اسکول میں ہوتی تھیں۔حالاں کہ وہ عمر میں مجھ سے بڑے تھے،مگر علی گڑھ میں میں ان سے سینئر تھا۔وہ فجر سے پہلے بیدار ہوجاتے تھے اور میرے لیے یہ کام بہت مشکل تھا۔ایک روز مجھے کلاس روم کی چابی صبح صبح جا کر بالائے قلعہ (اپر کورٹ) سے لانی تھی، میں اسی غرض سے حبیب ہال میں ان کے کمرے پر سویا تا کہ صبح اٹھ کر وہاں جا سکوں۔جب میری آنکھ کھلی تو دیکھا سورج سر پر آ گیا ہے اور شاہد بھائی بھی سو رہے ہیں۔میں نے ہڑبڑاہٹ میں انہیں جگایا تو معلوم ہوا کہ وہ فجر بعد سائیکل سے اپر کورٹ جا کر چابی لے بھی آئے اور میں سوتا ہی رہا۔اس واقعہ نے مجھے بہت متاثر کیا تھا۔

مجھے تنظیم اور اس کی پالیسی و پروگرام سے اختلاف رہتا تھا، اور میں شاہد بھائی سے کھل کر اس کا اظہار بھی کرتا، مگر میں ان کی کرشماتی شخصیت اور ان کی ذات میں موجود جاذبیت اور کشش کا ہمیشہ اسیر رہا۔وہ مقصد جو انہیں بہت عزیز تھا اس کے لیے ان کی سنجیدگی،لگن،اخلاص،فدا کاری،قربانی اور Commitment نے مجھے بہت متاثر کیا تھا۔ایک بار میں بیمار ہوا تو وہ میری عیادت کے لیے ہیلتھ سینٹر تشریف لائے اور علامہ ماہر القادری کی ’دریتیم٬ اور شیخ علی طنطاوی کی ’اسلام کا عام فہم تعارف٬ مطالعہ کے لیے دی۔ان کا Sense of Humor بہت قوی تھا۔بعض حقیقی واقعات تو ایسے ہیں کہ آپ ہنستے ہنستے لوٹ پوٹ ہوجائیں۔‘‘ (گفتگو بذریعہ واٹس ایپ، بتاریخ ۲۲/جولائی ۲۰۲۴ء، بعد نماز عشاء)

حقیقت یہ ہے کہ ان کی ذات عزیمت،استقامت،اولوالعزمی،فدا کاری اور شجاعت کا استعارہ تھی۔ایک مرد درویش کی مانند تا دم واپسیں تند و تیز زعفرانی ہواؤں کے درمیان چراغ جلاتے رہے اور حوصلہ بانٹتے رہے۔طوق و سلاسل٬ مقدمات٬ مصائب و آلام٬ اپنوں کے دل شکن فقرے، طعنے، الزامات اور خفیہ سرکاری اداروں کی مستقل تفتیش سے ان کے پاؤں میں ذرا لغزش نہیں آئی۔ان کے سینے میں موجود مضطرب، بے تاب اور کڑکتی بجلیاں باطل کے خرمن کو

جلا کر راکھ کردینے پر ہمیشہ آمادۂ پیکار رہیں۔شاعرمشرق کے الفاظ میں ’وہ فکر کی سرعت میں بجلی سے زیادہ تیز‘ تھے۔

شاہد بھائی طلبہ تحریک ایس آئی ایم کے فکری سرمایے کے تحفظ کے لیے ہمیشہ فکرمند رہا کرتے اوراس کے لیے ان کے ذہن میں بڑے منصوبے تھے۔اپنی فکر،نظریے اور رجحان کے مطابق متعدد موضوعات پر تحقیق وتصنیف کا ارادہ رکھتے تھے اور کتنے ہی موضوعات پر مطالعہ کا سلسلہ جاری تھا۔دہلی میں جاری مقدمہ کی تاریخوں پر ہونے والی ملاقاتوں میں مجھ جیسے کم علم اور بے مایہ فرد سے بھی ان موضوعات پر تبادلہ خیال کیا کرتے تھے۔

کاروان جنوں سے اپنی وابستگی کا جب کبھی تذکرہ کرتے تو زمین رسول پور(اعظم گڑھ) کے حافظ ڈاکٹر صباح الدین فلاحی (ممبئی) کا ذکر بڑی عقیدت اور احترام کے ساتھ کرتے تھے کہ وہی انہیں تحریک میں لے کر آئے تھے۔ عنفوان شباب میں بلریا گنج کے حکیم محمد ایوب صاحب اور حافظ محمد عیسیٰ صاحب مرحوم کی صحبت میں بیٹھ کر کسب فیض کیا ہے۔استاذ گرامی قدر مولانا محمد طاہر مدنی کے محبوب شاگردوں میں شمار ہوتے ہیں۔مولانا مجیب اللہ ندوی اور ڈاکٹر تابش مہدی کے بھی بڑے معتقد تھے اوران سے خصوصی ربط وتعلق قائم رہا۔

شاہد بھائی کی تصنیفات،کتابچے،تقاریر،خطابات،پیغامات،خطوط،مضامین اورانٹرویوز ان شاءاللہ ہندوستان میں فکراسلامی کے احیاءاور نظام اسلامی کے قیام کی راہ میں سنگ میل ثابت ہوں گے۔

مولانا محمد علی جوہرؒ نے اپنے ایک رفیق کار کی رحلت پر تعزیت کرتے ہوئے ایک نظم کہی تھی جس کا یہ شعر میرے جذبات کی ترجمانی کر رہا ہے ؎

تم کو ایسے ہی تھا اگر جانا　　　کوئی نعم البدل دیا ہوتا

نعمان بدر فلاحی

(ریسرچ اسکالر،شعبۂ عربی،علی گڑھ مسلم یونیورسٹی)

nomanbadaralig@gmail.com

......☆......